ڈاکٹر خالد ندیم
استاد شعبہ اردو، سر گودہا یونیورسٹی، سر گودہا

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا اقبالیاتی سرمایہ

Dr Khalid Nadeem

Department of Urdu, University of Sargodha, Sargodha

Dr Ghulam Hussain Zulfiqar's Assets of 'Iqbal Study'

'Iqbal study' has become an important field of Urdu literature and hundreds of scholars have endeavored for better comprehension of Iqbal's thoughts. Dr. Ghulam Hosain Zulfeqar was also known an expert of Iqbal. He was multifaceted personality and well-acknowledged as a scholar, researcher, critic, editor, compiler and translator. Akbar, Iqbal and Paksitan were his focus of interest. Throughout his life, he tried to eradicate suspicion and rumors about Iqbal. In this article, Dr. Zulfeqar is presented as "Iqbal-Shanas" through brief introduction to all his books and articles on Iqbal.

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (۱۵/اگست ۱۹۲۴ء۔۱۳/جون ۲۰۰۷ء) کی علمی و ادبی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ یوں تو انھوں نے ادب، تاریخ، پاکستانیات، کشمیریات سمیت کئی ایک میدانوں میں اپنے جوہر ثابت کیے ہیں، لیکن اکبر اور اقبال سے ان کی دلچسپی دیگر تمام ادبی شعبوں اور شخصیات سے فزوں تر رہی، بالخصوص اقبالیات میں ان کے کارنامے خود اقبال شناسوں کے ہاں اعتبار حاصل کر چکے ہیں۔

اقبالیات سے ان کی وابستگی کا اوّلین تحریری اظہار نومبر ۱۹۵۹ء کے محور لاہور میں شائع ہونے والے ان کے مضمون 'اقبال: عصرِ نو کا پیام بر' سے ہوتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ان کی ایک تصنیف اور دو تالیفات منصۂ شہود پر آئیں، ان میں تقدیم و تاخیر کا تعین دشوار ہے۔ اکبر اور اقبال ۱۹۷۷ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی، لیکن ان پر کسی مہینے کا اندراج نہیں۔ بیادِ اقبال پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے، البتہ اس کے دیباچے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۹۷۷ء یا اس سے کچھ پہلے شائع ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر ذوالفقار کتاب کے دیباچے کے بعد 'اعتذار' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

> ''یہ مضامین ۱۹۶۹ء میں کتابت ہو گئے تھے، لیکن شرمندۂ طباعت نہ ہو سکے۔ سات سال تک پردۂ غفلت میں مستور رہنے کے بعد اب طبع و شائع ہو رہے ہیں''۔ (۱)

یہاں 'اب' سے کون سا سال مراد ہے، معلوم نہیں؛ لیکن اقبال صدی کے حوالے سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ 'پردۂ غفلت' سے 'طبع واشاعت' تک آنے کا جواز: جشن ولادتِ اقبال ہی ہوسکتا تھا۔ چونکہ یہ کتاب طبع زاد نہیں، بلکہ مرتبہ ہے؛ اس لیے اسے ڈاکٹر صاحب کی اوّلین اقبالیاتی کتاب کے طور پر پیش کرنا مناسب نہیں۔ دیگر کتب میں اعلامِ خطباتِ اقبال خالص تحقیقی کاوش ہے، جو اگرچہ تفہیم خطباتِ اقبال میں تو بڑی اہمیت رکھتی ہے، مگر تفہیم خطبات میں معاون ضرور ہے؛ جب کہ اکبر اور اقبال میں انھوں نے دونوں مفکرین کو باہمی تقابل کے ذریعے سمجھنے اور سمجھانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے، چنانچہ راقم کے خیال میں: اسی کتاب کو ان کی پہلی باقاعدہ اقبالیاتی تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی اُن کتب کی تفصیل دی جاتی ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے براہِ راست اقبالیات سے تعلق رکھتی ہیں:

۱۹۷۷ء میں اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے اقبال کے انگریزی خطبات پر ایک کتاب (متعلقاتِ خطباتِ اقبال (۲)) مرتب کی، اس میں 'اعلامِ خطباتِ اقبال' کے عنوان سے ڈاکٹر ذوالفقار ایک مقالہ شامل ہے۔ یہ خطباتِ اقبال کے رجال کا تعارف نامہ ہے۔ ذوالفقار صاحب نے، غالباً اپنے استاد: ڈاکٹر سید عبداللہ کی فرمائش پر، بڑی محنت وکاوش سے بقدرِ کتاب کے، یہ جامع اور ضخیم مقالہ تیار کیا۔ اس کی حیثیت خطباتِ اقبال کے ایک معاون کی ہے۔ راقم کے نزدیک، اسے ان کی ایک مستقل تالیف سمجھنا چاہیے۔

اس طویل مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے علامہ کے خطبات میں مذکور ڈیڑھ سو سے زائد اہم اور غیر اہم شخصیات کے کوائف جمع کر دیے ہیں۔ اقبال کے خطبات میں بعض شخصیات ایک آدھ مرتبہ سامنے آتی ہیں اور بعض کا ذکر بار بار ہوا ہے۔ بعض ایسی بھی ہیں، جو اپنے عمومی نام کی وجہ سے التباس کا باعث بنتی ہیں، بعض مقامات پر خود اقبال نے 'ایک مغربی نقاد' کہہ کر اقتباس دے دیا اور کئی ایک مقامات پر محض کتاب کا نام لے کر حوالہ درج کر دیا، جس سے درست شخصیت تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، لیکن محقق اگر جستجو جاری رکھے اور لگن سے کام کرے تو عبارت کے سیاق وسباق اور زماں ومکاں کے پیش نظر تلاشِ حقائق میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ ان شخصیات کے تعین اور کوائف کی جمع آوری کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''اس کی مثال فشر (Fischer) کی ہے، جس کے بارے میں خطبات میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ اس نے ترک شاعر: ضیا کی بعض نظموں کا ترکی سے جرمن زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اب فشر نام کے کئی افراد سے سابقہ پڑا اور آخر میں قیاس کی مدد سے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ یہ فشر زیکوسلواکیہ (چیکوسلواکیہ) کے نقاد [و] شاعر تھے، جو چارلس یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہے تھے اور انھوں نے گوئٹے، شیکسپیئر، نطشے کی کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ یہ فشر ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ اب اگرچہ ان کے مختصر احوال میں کہیں یہ تو نہ ملا کہ انھوں نے ترک شاعر: ضیا کی نظموں کا بھی جرمن زبان میں ترجمہ کیا، لیکن چونکہ سب 'فشروں' میں یہی ایک فشر ایسے تھے، جنھوں نے جرمن سے اور جرمن میں تراجم کا کام سرانجام دیا ہے اور یہ ضیا اور اقبال، دونوں کے ہم عصر بھی تھے اور پھر گوئٹے اور نطشے کی وجہ سے بھی ایک تعلق نکل آیا۔ اب قیاسِ غالب سے کام لے کر مذکورہ فشر کا انتخاب کرنا پڑا۔ یہ محض ایک مثال ہے، جو اس کام کی دقت کو واضح کرنے کے لیے پیش کی گئی ہے۔''(۳)

دوسری جانب، بعض مقامات پر سید نذیر نیازی کے ترجمے کی کئی الجھنوں کو سلجھانے کی کوشش بھی کی گئی ہے، مثال کے طور پر:

> ''بعض خلاؤں کو خطبات کے فاضل مترجم: سید نذیر نیازی نے بڑی محنت سے پُر کیا ہے، لیکن پھر بھی بعض الجھنیں رہ گئی ہیں، جنھیں سلجھانا اس مضمون حوالہ میں از بس ضروری تھا؛ مثلاً اشاریے میں بریڈلے کے ساتھ 'اے سی' اس

> کے نام کے مخفف حروف لکھے گئے ہیں، حالانکہ متن میں جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا، وہ اے سی (انڈریوسسل) بریڈلے کی نہیں، بلکہ ایف ایچ (فرانسس ہربرٹ) بریڈلے کی ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں بھائی تھے، لیکن اوّل الذکر ادبی نقاد تھا اور ثانی الذکر معروف فلسفی تھا اور خطبات میں فلسفی بریڈلے ہی زیرِ بحث ہے۔"(۴)

ڈاکٹر ذوالفقار نے ان شخصیات کو الف بائی اعتبار سے درج کیا ہے، تاہم انبیائے کرام (حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو احتراماً شروع میں جگہ دی ہے۔

فاضل محقق نے شخصیت کے نام کے بعد تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (مترجمہ: سید نذیر نیازی) کے متعلقہ صفحات کا اندراج، شخصیت کے عہد کا تعین کر دیا ہے۔ شخصیت کے کوائف کے بعد اس کی بعض اہم تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ جہاں ضرورت محسوس کی گئی، ممکن حد تک سنین کا اہتمام کیا ہے۔ مقالے کے آخر میں خطبات کے آکسفر ڈ ایڈیشن کا اشاریہ بھی مرتب کر دیا، تا کہ اصل متن سے استفادے میں سہولت رہے۔

اب، جب کہ اقبال کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے خطبات پر بھی توجہ دی جا رہی ہے اور یہ تصور پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ فکرِ اقبال کی تفہیم کے لیے نثرِ اقبال، بالخصوص خطباتِ اقبال سے اعتنا ناگزیر ہے تو اس مقالے کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

اکبر اور اقبال (۱۹۷۷ء) ڈاکٹر ذوالفقار کے چھے مضامین پر مشتمل ہے، یعنی 'اکبر: پیشروِ اقبال'، 'خطوطِ اقبال بنام اکبر'، 'خطوطِ اقبال بسلسلہ اکبر'، 'خطوطِ اکبر بنام اقبال'، 'خطوطِ اکبر بسلسلہ اقبال' اور 'اکبر اور اقبال'۔

بنیادی طور پر یہ کتاب اپنے پہلے مضمون 'اکبر: پیش روِ اقبال' کے گرد گھومتی ہے۔ یہ طویل مقالہ مجلّہ اقبال، لاہور(۵) میں شائع ہوا تھا، جسے بعض ترمیمات و اضافات کے بعد نقدِ اکبر میں شامل کر لیا گیا۔ اس دَوران میں اگرچہ مزید لوازمہ فراہم ہوتا رہا اور کچھ نئی معلومات بھی سامنے آتی رہیں، لیکن چوں کہ اکبر و اقبال کی باہمی مراسلت (اقبال کے دو اور اکبر کے سولہ خطوط)، یعنی کُل اٹھارہ خطوط پر مشتمل ہے، چنانچہ ڈاکٹر ذوالفقار نے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اکبر و اقبال کے دوسرے احباب کے نام خطوط سے اقتباسات بھی اس کتاب میں جمع کر دیے ہیں، جن سے دونوں شخصیات کے روابط اور فکری ہم آہنگی کی ایک اچھی خاصی رُوداد تیار ہو جاتی ہے۔(۶)

ڈاکٹر ذوالفقار کا یہ کہنا درست ہے کہ اکبر اور اقبال میں مماثلتیں کم سے کم تر سہی، تاہم مقاصد کا اشتراک اور بہت حد تک فکر و نظر کی وحدت و یکجہتی دونوں فن کاروں کے کلام و پیام میں بیش از بیش ہے۔ زمانے کی ذرا سی تقدیم و تاخیر کے باوصف دونوں فن کاروں کا موضوعِ بحث کم و بیش ایک ہی سمت الراس کی نشاندہی کرتا ہے۔(۷) دراصل ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانانِ برعظیم سیاسی شکست کے بعد ذہنی و فکری و تہذیبی انتشار کا شکار ہو گئے تو سرسید نے مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔ اس اصلاحی تحریک کے پردے میں ہماری روایات و اقدار بھی پامال ہو رہی تھیں، اکبر نے ان قباحتوں کی نشان دہی کر کے علی گڑھ تحریک کو صراطِ مستقیم دِکھانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر ذوالفقار کے خیال میں بیسویں صدی کے آغاز میں اکبر کے اندیشے حقیقت کے روپ میں ظاہر ہونے لگے تھے اور علی گڑھ تحریک کے بعض رہنماؤں نے بھی اپنی محنت و کاوش کے تلخ ثمرات کو بچشم خود ملاحظہ کیا اور اہل نظر کو اکبر کے کلام و پیام کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔(۸)

یہی وہ دَور ہے، جس میں اکبر و اقبال کے مراسم کا آغاز ہو سکتا ہے اور بقول ڈاکٹر ذوالفقار: یہی وہ زمانہ تھا، جب اقبال نے ہنگامہ ہائے گرد و پیش پر نظر ڈالی اور ابتدائی دَور کے ہیجان و اضطراب سے گزر کر بالآخر وہ بھی اُسی راہ پر پہنچے، جہاں اکبر مدت سے کھڑے 'خدا کی پاکی' کا نعرۂ مستانہ پکار رہے تھے اور 'بتوں' کی ناخوشی کا خطرہ مول لے رہے تھے۔(۹)

'روابط کی ابتدا'، 'ملاقات کا سلسلہ'، 'نامہ و پیام'، 'ذکرِ منظوم' اور 'ایک ناخوشگوار معارضہ' کے ذیلی عنوانات کے تحت

فاضل محقق نے خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ مصنف نے کمال علمی دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۹۱۰ء کے خطبہ علی گڑھ (ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر) کے اصل انگریزی متن کی عدم دستیابی کا اعتراف کیا ہے۔ یہ متن بعد میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے دریافت کر کے اپنے مقالے تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ میں شائع کر دیا تھا۔ (۱۰)

اس کتاب کے دیگر ابواب دراصل اسی ایک مقالے 'اکبر: پیش روِ اقبال' کے حواشی و تعلیقات کا درجہ رکھتے ہیں۔ باب دوم (خطوطِ اقبال بنام اکبر) میں محقق نے اکبر کے نام اقبال کے دستیاب سولہ خطوط پیش کیے ہیں۔ ان میں سے پہلا خط ۶/ اکتوبر ۱۹۱۱ء کا لکھا ہوا ہے، جب کہ آخری خط ۲۰/ اپریل ۱۹۱۹ کا تحریر کردہ ہے۔ تیسرے باب (خطوطِ اقبال بسلسلہ اکبر) میں سید عشرت حسین، مہاراجا سر کشن پرشاد شاد، مولانا غلام قادر گرامی اور خان نیاز الدین خاں کے نام اقبال کے اکیس مکاتیب سے متعلقہ حصوں پر مشتمل اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ باب چہارم (خطوطِ اکبر بنام اقبال) میں اکبر کے دو دستیاب خطوط پیش کیے گئے ہیں، جن میں سے پہلا ۲/ اکتوبر ۱۹۱۱ء کا مرقومہ ہے، جب کہ آخری ۳/ مارچ ۱۹۱۲ء کا۔ پانچویں باب (خطوطِ اکبر بسلسلہ اقبال) میں مرزا سلطان احمد، شیخ عبدالقادر، خواجہ حسن نظامی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام اکبر کے ساٹھ مکاتیب سے متعلقہ حصوں کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

کتاب کے آخری مضمون 'اکبر اور اقبال' کو کتاب کے پہلے مقالے 'اکبر: پیش روِ اقبال' کا تکملہ کہا جا سکتا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر شائع ہونے والی مختلف تحریروں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اس سلسلے میں پہلی تحریر مرزا سلطان احمد کی ہے، جو دسمبر ۱۹۱۳ء یا جنوری ۱۹۱۴ء میں لدھیانہ کے ایک رسالے اقبال میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد بھی کئی ایک مضامین اور جائزے شائع ہوئے، چناں چہ ان کے خیال میں: یہ کوئی اچھوتا موضوع نہیں، لیکن پھر بھی اتنا تشنہ ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھنے اور کہنے کی گنجائش باقی ہے۔ (۱۱)

محقق نے کتاب کے بعض مباحث کی بہتر تفہیم کے لیے ضمیمہ الف میں Stray Thoughts کے زیرِ عنوان لسان العصر (اکبر) اور ہیگل سے متعلق اقبال کا انگریزی مضمون (متن) پیش کیا ہے، جب کہ ضمیمہ ب میں معارف کے شمارے :اپریل ۱۹۱۸ء میں اکبر الہ آبادی کی مطبوعہ نظم 'صوفی اور مُلّا' مدیرِ مجلّہ (سلیمان ندوی) کے نوٹ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

ایک سو پچاس صفحات پر محیط یہ مختصر سی کتاب اپنے موضوع پر قابلِ قدر تالیف ہے، لیکن محقق کا انکسار ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اسے ایک تشنہ تحریر قرار دیتے ہوئے اس موضوع پر مزید تحقیق و جستجو کی دعوت دے رہے ہیں۔

اقبال کا ذہنی ارتقا (۱۹۷۸ء) میں تمہید (مرقومہ: ۱۲/ ستمبر ۱۹۷۷ء) کے علاوہ پینتیس مضامین شامل ہیں: 'ولادت سے اعلیٰ تعلیم تک ۱۸۷۳ء-۱۸۹۵ء'، 'طالب علم: گورنمنٹ کالج، لاہور ۱۸۹۵ء- ۱۸۹۹ء'، 'میکلوڈ عربک ریڈر: پنجاب یونیورسٹی ۱۸۹۹ء- ۱۹۰۳ء'، 'اسسٹنٹ پروفیسر: گورنمنٹ کالج، لاہور ۱۹۰۳ء- ۱۹۰۵ء'، 'یورپ کا تعلیمی سفر و قیام ۱۹۰۵ء-۱۹۰۸ء'، 'لاہور میں اگست ۱۹۰۸ء- ۱۹۰۹ء'، 'لاہور میں ۱۹۱۰ء' اور علیٰ ہٰذا القیاس ۱۹۳۸ء تک۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ، المصادر والمراجع اور غلط نامہ بھی دیا گیا ہے۔

یہی کتاب دوسری مرتبہ ۱۹۹۸ء میں بعض ترامیم و اضافات کے ساتھ اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا [سرگذشتِ اقبال] کے نام سے بزمِ اقبال، لاہور سے شائع ہوئی (ضخامت: ۲۴۸)۔ پہلی اشاعت کی تمہید کی جگہ اس میں ۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کے تحریر کردہ پیش لفظ نے لے لی ہے۔ بعض جزوی ترامیم و اضافات کے علاوہ 'ولادت سے اعلیٰ تعلیم تک' کے باب کو 'ابتدائی زندگی: سیالکوٹ میں' کے نام سے تبدیل کر دیا گیا ہے، جب کہ 'یورپ کا تعلیمی سفر و قیام' کو 'اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ کا سفر و حضر' کا نام دے دیا گیا ہے۔ کتابیات اور اشاریے میں بعض ضروری ترمیم و اضافے کیے گئے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اقبال کے ذہنی و فکری سفر کی رُوداد بیان کی ہے۔ پہلی اشاعت کے وقت محقق

نے چالیس اردو، انگریزی کتب و رسائل و اخبارات سے استفادہ کیا؛ جب کہ نظر ثانی کے وقت چوہتر اردو انگریزی کتب و رسائل ان کے پیش نظر رہے۔ اگرچہ معلومات کے اعتبار سے دوسری اشاعت بہتر ہے، لیکن حوالہ جات کو حذف کر دیا گیا ہے اور محض کتابیات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ کی ذہنی سرگذشت کو انھی کے الفاظ میں مرتب کرنے اور اس کو زیادہ تر اقبال کے نثری بیانات، مکتوبات اور خطبات کے حوالے سے بیانیہ انداز دینے کی حتی الامکان سعی کی گئی ہے اور اس مقصد کی خاطر جس قدر بنیادی مآخذ تک مجھے رسائی ہو سکی، انھیں کھنگال ڈالا ہے۔ کتاب کے آخر میں کچھ مآخذ کی نشاندہی کر دی گئی، [البتہ] کتاب کے اندر حوالے دینے کی کم سے کم کوشش کی گئی ہے، کیونکہ کتاب کے بیانیہ اسلوب کے لیے یہی صورت مناسب نظر آئی۔ (۱۲)

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ عبارت میں بار بار حوالوں کی نشاندہی بیانیہ اسلوب کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتی، لیکن حوالوں سے بے نیازی تحقیقی معیار اور مطالبات کو متاثر کرتی ہے اور مزید مطالعے کے لیے قاری کی مشکلات میں اضافہ کرتی ہے۔

اپنے مقاصد کے اعتبار سے یہ کتاب ابتدائی ابواب کے اختصار کے باوجود اقبال کے ذہنی و فکری ارتقا کے مطالعے کے لیے نہایت اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔ محقق نے اقبال کی یہ سرگذشت ان کے کلام، شذرات، مکاتیب، گفتار، اذکار اور ملفوظات کی مدد سے مرتب کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مولوی احمد دین، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر حمید احمد خاں، خالد نظیر صوفی، پروفیسر رفیق افضل، رحیم بخش شاہین، عاشق حسین بٹالوی، شیخ عبدالقادر، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، محمود نظامی، سید نذیر نیازی اور فقیر سید وحید الدین جیسے مستند و معتبر ماہرین اقبالیات کی قابلِ قدر اور وقیع تحقیقی کاوشوں سے استفادے کے ساتھ ساتھ مختلف رسائل و جرائد سے بھی معلومات کشید کی ہیں۔

سرگذشتِ اقبال: ایک محاکمہ (۱۹۷۹ء) میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے عبدالسلام خورشید کی سرگذشتِ اقبال کے بعض مندرجات پر گرفت کی ہے۔ یہ مقالہ 'اقبال اردو کانفرنس، میرپور، آزاد کشمیر' میں پڑھا گیا، جو بعد میں ۲/جنوری ۱۹۷۸ء کے ہفت روزہ چٹان، لاہور میں شائع ہوا؛ اسی موضوع پر دوسرا مضمون ۲۱/اپریل ۱۹۷۸ء کو 'سرگذشتِ اقبال: ایک جائزہ' صداقت، لاہور میں طبع ہوا، جس کے ردِ عمل میں م ش صاحب نے اپنی ڈائری میں سرگذشتِ اقبال کے مؤلف کا دفاع کرتے ہوئے ڈاکٹر ذوالفقار کے نقطۂ نظر کو 'ذاتیاتی تلخی کا ثمر' اور 'جلتے ہوئے پھپھولے پھوڑنا' قرار دیا۔ یہ ڈاکٹر ذوالفقار کی وسیع القلبی ہے کہ انھوں نے اپنے مقالے اور ردِ عمل پر مشتمل تحریروں کو بھی اس کتابچے میں شامل کر دیا۔

تمہید کے بعد ڈاکٹر صاحب کے دونوں مذکورہ مضامین، م ش کی ڈائری: ایک اقتباس، [م ش کی ڈائری کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا] ایک خط، ۸/مئی ۱۹۷۸ء کو ینگ لائیز، سرکل سرگودھا کے زیرِ اہتمام پڑھا جانے والا ڈاکٹر صاحب کا مضمون بعنوان: 'بلا عنوان' اور آخر میں 'مسئلہ اقبال کی تاریخ ولادت' کے موضوع پر ایک تحریر شامل ہے۔

اقبال: ایک مطالعہ (۱۹۸۷ء) دوسری مرتبہ ۱۹۹۷ء میں بزمِ اقبال، لاہور سے شائع ہوئی (ضخامت: ۲۹۶)۔ اس میں 'پیش لفظ' اور 'دیباچہ طبعِ ثانی' کے علاوہ پندرہ مضامین شامل ہیں، یعنی 'اقبال کا تعلق: اورینٹل سے'، 'اقبال کا تعلیمی سفر یورپ اور اس کے اثرات (ان کی فکر و نظر پر)'، 'حیاتِ اقبال کا ایک فیصلہ کن سال'، 'اقبال کا ذہنی سفر (ہندی قومیت سے مسلم قومیت تک)'، 'کشورِ پنجاب اور اقبال'، 'اقبال کے عمرانی تصورات'، 'سوشلزم کے بارے میں اقبال کے خیالات'، 'اقبال: عصرِ نو کا پیامبر'، 'اقبال اور سید جمال الدین افغانی'، 'اقبال کے ایک پیر و مرشد: اکبر الہ آبادی'، 'اقبال کا ایک معاصر: ظفر علی خاں'، 'جدید ترکی کے بانی: مصطفیٰ کمال پاشا (ظفر اور اقبال کی نظر میں)'، 'اقبال کا اسلوبِ نگارش'، 'اقبال: خطوط کے آئینے میں'، 'مکاتیبِ اقبال پر ایک تنقیدی نظر'۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ بھی دیا گیا ہے۔

’اقبال اورینٹل کالج میں‘ کے نام سے ڈاکٹر ذوالفقار کا مضمون اپریل ۱۹۶۲ء میں مجلّہ اقبال لاہور میں شائع ہوا تھا، جسے بعد میں منظرِ عام پر آنے والی معلومات کی روشنی میں ازسرِنو ترتیب دے کر ’اقبال کا تعلق اورینٹل کالج سے‘ کے نام سے اس کتاب میں شامل کیا گیا۔ گورنمنٹ کالج، لاہور کے بعض مضامین (عربی وغیرہ) کی اورینٹل کالج میں تدریس کے توسط سے اقبال کا اس ادارے تعلق استوار ہوا۔ بعد میں میکلوڈ عربک ریڈر اور اس کے تحت مختلف تراجم اور تدریسی فرائض کی انجام دہی اور بعض اکابرین کے لیے خالی اسامیوں کے لیے کوششوں کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے معلومات کی یکجائی کے لیے جو محنت شاقہ کی ہے، اس کا اندازہ مضمون کے حواشی سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

’اقبال کا تعلیمی سفرِ یورپ اور اس کے اثرات (ان کی فکر و نظر پر)‘ اور ’حیاتِ اقبال کا ایک فیصلہ کن سال‘ بنیادی طور پر اقبال کے ذہنی و فکری ارتقا سے متعلق ہیں۔ ان مضامین کے ذریعے سے اقبال کے ذہنی سفر کی رُوداد سامنے آتی ہے۔

’اقبال کے عمرانی تصورات‘ اور ’سوشلزم کے بارے میں اقبال کے خیالات‘ میں انھوں نے افکارِ اقبال کی تشریح و توضیح کا حق ادا کر دیا ہے۔

’اقبال اور سید جمال الدین افغانی‘ اور ’اقبال کے ایک پیرومرشد: اکبرالٰہ آبادی‘ میں ذوالفقار صاحب نے اقبال کے فکری پس منظر کے کئی گوشوں کو منور کر دیا ہے۔ اوّل الذکر مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے اقبال کے فکری ماخذات میں جمال الدین افغانی کے پیغام کو پیش کیا ہے؛ جب کہ دوسرا مضمون اپنے مقاصد کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحب کی وقیع تالیف اکبر اور اقبال کا جزو ہونا چاہیے۔

’اقبال: عصرِنو کا پیام بر‘، ’اقبال کے ایک معاصر: ظفر علی خاں‘ اور ’جدید ترکی کے بانی: مصطفیٰ کمال پاشا (ظفر اور اقبال کی نظر میں)‘ سیاسی صورتِ حال سے متعلق ہے۔ اوّل الذکر مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے بیسویں صدی کے نصف اوّل میں ایشیا و افریقہ اور بالخصوص مسلمان ممالک میں سامراجی طاقتوں کی چیرہ دستیوں، خود مسلمانوں کی غلامانہ ذہنیت اور فکرِ فردا سے ان کی بے نیازی کا منظرنامہ پیش کیا تو ساتھ ہی اقبال جیسے فلسفی اور شاعر کے پیش کردہ لائحہ عمل کا تجزیہ کیا۔ مشرق و مغرب میں جاری آویزش کے بارے میں اقبال کے بیانات کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سائنس کی ایجاد و ترقی، عالمِ انسانی کی فلاح و بہبود کے کام اُسی صورت میں اور اُسی وقت آئے گی، جب مادّیت کو روحانیت سے ہم آہنگ کر کے انفس و آفاق میں ایک خوشگوار توازن قائم کیا جائے گا۔ سائنس کو اس وقت لادین سیاست کی نہیں، بلکہ مذہب کی دوستی و رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہی ایک ایسی راہ ہے، جس پر چلنے سے انسان کی مادی ضروریاتِ زندگی کے تقاضے بھی پورے ہو سکتے ہیں اور قلب و نظر بھی تسکین پا سکتے ہیں۔ (۱۳)

ثانی الذکر مضمون میں ایک طرف مصطفیٰ کمال پاشا کی سرگرمیوں پر نظر ہے تو دوسری جانب برِعظیم کے دو اہم شعرا کی نظر سے ان سرگرمیوں کو جانچنے کی کوشش کی گئی ہے؛ گویا اس طرح ڈاکٹر ذوالفقار نے سیاسی رہنما اور مفکر: کمال اتاترک، فلسفی شاعر اور سیاسی رہنما: اقبال اور صحافی و سیاسی رہنما: ظفر کا تقابل کر کے عالمِ اسلام کو درپیش مسائل اور ان کے حل کے لیے ان تینوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔

’اقبال کا اسلوبِ نگارش‘ میں ڈاکٹر صاحب نے اہلِ زبان کے سامنے اہلِ پنجاب کی مجوبیت اور دوسری جانب زبان و ادب کی ناقابلِ فراموش خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اقبال کی نثر کا جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ پنجاب کے اکثر اہلِ قلم کو زبان کے معاملے میں عذر خواہی کی ضرورت محسوس ہوتی رہی، اقبال کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، (۱۴) چنانچہ وہ اپنی شاعری کے مقابلے میں اپنی نثر کے بالعموم ذکر سے بھی گریزاں رہے اور یہاں تک لکھ گئے کہ اردو میں گفتگو کرتے ہوئے مَیں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا نہیں کرسکتا۔ (۱۵) اس مضمون میں ڈاکٹر ذوالفقار نے مکاتیب، دیباچوں، بیانات، ملفوظات کو

پیش نظر رکھ کر اقبال کے اسلوبِ نگارش پر تفصیلی بحث کی ہے۔ متنوع موضوعات پر بات کرتے ہوئے اقبال مختلف اسلوبِ تحریر برتتے ہیں، لیکن ان کے تمام رنگوں میں ایک وحدت بھی پائی جاتی ہے، جس کی طرح ڈاکٹر ذوالفقار نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

> اقبال بلا مبالغہ ایک صاحب طرز نثر نگار ہیں اور اس طرزِ بیان کا بنیادی وصف حکیمانہ ہے، جسے اتنی خود اعتمادی اور بصیرت کے ساتھ اردو میں کسی نے نہیں برتا تھا۔ اگرچہ یہ بات اقبال نے سید سلیمان ندوی کی نثر کے بارے میں کہی ہے کہ ''آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالا مال ہوتی ہے''، لیکن یہ بات خود ان کی اردو نثر اور اسلوبِ نگارش پر زیادہ صادق آتی ہے۔ (۱۶)

ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر اگرچہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور اس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن جس طرح انھوں نے اقبال کی مختلف النوع تحریروں سے اقتباسات پیش کر کے اپنا نقطہ نظر ترتیب دیا ہے، اس سے نثر اقبال پر دوبارہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

'اقبال: خطوط کے آئینے میں' کے ذریعے ڈاکٹر ذوالفقار نے اقبال کی سوانحی، شخصی، فکری اور ادبی حیثیت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ اقبال کے مکتوب الیہم مختلف سماجی، معاشی، سیاسی، علمی، مذہبی مقام و مرتبے کے حامل رہے، اس لیے ان خطوں کے موضوعات میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ کہیں نجی گفتگو ہو رہی ہے اور کہیں مشاغل کا ذکر؛ کہیں گھریلو امور پر بات ہو رہی ہے، کہیں معاشرتی مسائل پر؛ کہیں سیاسی معاملات زیرِ بحث ہیں اور کہیں عالمی امور؛ کہیں فلسفیانہ مباحث ہیں اور کہیں حکیمانہ نکات۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں، اقبال کے خطوط ان کی شخصیت اور افکار کا ایک ایسا صاف شفاف آئینہ ہیں، جس پر اندازِ بیان کی کوئی باریک سی تہ بھی نہیں چڑھی، جو حقیقت کو دھندلا سکے، (۱۷) چنانچہ ہم کہ سکتے ہیں کہ ان کے خطوں کے عمیق مطالعے سے ان کے فکر و نظر کی بعض نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو سمجھنے میں بخوبی مدد مل سکتی ہے۔ الغرض یہ مضمون سوانح و فکرِ اقبال کی تفہیم میں ایک سودمند کاوش قرار دیا جا سکتا ہے۔

'مکاتیبِ اقبال پر ایک تنقیدی نظر' ڈاکٹر ذوالفقار کا ایک وقیع تحقیقی مقالہ ہے، جس میں خطوطِ اقبال کی اہمیت و افادیت پر مختصر گفتگو کرنے کے بعد انھوں نے تیرہ مجموعہ ہائے مکاتیب کے طرزِ ترتیب کا جائزہ لیا ہے اور ہر مجموعے کی بعض کمزوریوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ انھوں نے جو مشورے دیے، ان میں سے بعض پر مجموعوں کی طبع نو کے وقت عمل ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر اقبال نامہ (یکجا)، مکاتیبِ اقبال، *Letters of Iqbal*، وغیرہ، جن کی طباعتِ نو میں زیادہ بہتر تحقیقی انداز اپنایا گیا۔ مختلف مجموعوں کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اقبال کے اردو خطوط (۱) بنام مہاراجا سر کشن پرشاد شاد، (۲) بنام محمد علی جناح، (۳) بنام خان نیاز الدین خان، (۴) بنام سید نذیر نیازی، (۵) بنام مولانا غلام قادر گرامی، (۶) بنام سید سلیمان ندوی، (۷) بنام اہم شخصیات، (۸) بنام غیر اہم شخصیات کے علاوہ (۹) انگریزی خطوط اور (۱۰) انگریزی خطوط کے اردو ترجمے پر مشتمل مستقل مجموعے ترتیب دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح ان مجموعوں کی انفرادی اہمیت بھی برقرار رہ سکے گی اور حواشی و تعلیقات دینے میں بھی آسانی رہے گی۔ (۱۸) انھوں نے متن کی تصحیح، ضروری مقامات پر قوسین کی ضرورت، مکتوب الیہم کا مختصر تعارف، تمام مجموعوں میں حواشی و تعلیقات کا یکساں طریق کار اور مکاتیب کی تاریخوں کے تعین پر اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے بعض مکاتیب کے انیس مقامات پر تاریخوں کے غلط اندراج کی نشان دہی کی ہے، جن کی عدم درستی کے باعث سوانح و فکرِ اقبال سے متعلق بعض تاریخی مغالطے جنم لے سکتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی تنقیدی و تحقیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہے۔

اقبال کا پیام: نژادِنو کے نام (۲۰۰۵ء) میں اقبال کے پیام، نئے عالمی نظام اور جدوجہدِ آزادی میں اقبال اور جناح کی ذہنی وعملی ہم آہنگی پر لکھے گئے ڈاکٹر صاحب کے ان مضامین میں سے پانچ کا تعلق براہِ راست اقبال سے ہے اور یہی اس وقت زیرِ بحث ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے جناح کے نام اقبال کے خطوط کا انگریزی متن بھی دیا گیا ہے۔

'اقبال کا پیام: نوجوانانِ ملت کے نام' میں فاضل مصنف نے اقبال کے اردو فارسی کلام، خطبات اور مکاتیب کی روشنی میں؛ روحانی، اخلاقی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی اعتبار سے دیوالیہ مسلمان نوجوانوں کے لیے ان کے ملّی اور عالمی کردار کی نشان دہی کی ہے۔

'نیا عالمی نظام اور اقبال' نامی مضمون ۹۲-۱۹۹۱ء میں ان دنوں لکھا گیا، جب افغانستان میں پسپائی کے بعد خود روس کے حصے بخرے ہو رہے تھے اور امریکہ اپنے حریف کے انہدام کے بعد خود کو بلاشرکتِ غیرے دنیا کا حکمران سمجھنے لگا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایشیا وافریقہ کی تجارتی منڈیوں پر تسلط کے حوالے سے سامراجی قوتوں کے مابین پیدا شدہ صورتِ حال، زمانہ طالب علمی میں اقبال کی طرف سے اس کے شاعرانہ تجزیے، پہلی جنگ عظیم اور اس کی تباہ کاریوں، مغربی تہذیب کی بے راہ روی اور مشرقی تہذیب کی بے عملی وزوال آمادگی، پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر امریکی صدر کی کوششیں اور برطانوی سامراج کے ردِعمل، لیگ آف نیشنز کے قیام، سامراجیوں کی کمزور ممالک پر چڑھائی اور دوسری عالمگیر جنگ کے خدشات پر گفتگو کے بعد مصنف نے آل انڈیا ریڈیو، لاہور سے ۱۹۳۸ء کے آغاز پر نشر ہونے والے اقبال کے پیغام کو بڑی اہمیت دی ہے۔ مشرق کی غیر مختتم پسپائی، مغربی دنیا کی بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں اور نسل انسانی کے خوفناک انجام کا مداوا اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا:

> ''صرف ایک اتحاد قابلِ عمل ہے اور وہ ہے: اخوتِ انسانی کی وحدت، جو رنگ، زبان اور قومیت کے امتیاز سے بالاتر ہو۔ جب تک یہ نام نہاد جمہوریت، یہ منحوس نیشنلزم اور یہ ذلیل امپریلزم ختم نہیں ہو جاتے، جب تک انسان اپنے یقین اور عمل سے یہ ثابت نہیں کر دیتا کہ یہ تمام دنیا خدائے واحد کی مخلوق ہونے کے ناتے ایک خاندان ہے اور جب تک رنگ ونسل اور جغرافیائی قومیتوں کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہو جاتا، انسان مسرت واطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتا اور نہ ہی حریت، مساوات، بھائی چارے کے خوب صورت نظریے حقیقت بن سکتے ہیں۔''(۱۹)

یہی وہ پیغام ہے، جو اپنی قدامت کے باوصف آج کے امریکی ورلڈ آرڈر کے دَور میں بھی اپنی اہمیت ثابت کر رہا ہے اور فاضل مصنف نے اپنا نقطہ نظر اس طرح ترتیب دیا ہے کہ اقبال کے پیغام کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

'اقبال، جناح اور عالمِ اسلامی' اور 'تحریک پاکستان میں اقبال اور جناح کا تاریخی کردار' بنیادی طور پر سیاسی نوعیت کے مضامین ہیں۔ اوّل الذکر مضمون میں مصنف نے اقبال اور جناح کی طرف سے متحدہ قومیت کی حمایت، ہندی قومیت سے مسلم قومیت کی طرف اقبال کے فکری سفر، اقبال اور جناح کے سیاسی اختلافات، چودہ نکات کے بعد دونوں قائدین کی قربت، پھر ایک مقصد کے لیے مشترکہ جدوجہد کا آغاز اور دونوں کی طرف سے دیگر مسلم خطوں کی تحاریکِ آزادی پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ دراصل یہی وہ آخری نکتہ ہے، جس کی طرف فاضل مصنف نے بھرپور اشارہ کیا ہے اور شیخ الجامعہ الازہر کے ایک بیان کے حوالے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مصر ہی نہیں، بلکہ ترکی، ایران، افغانستان، وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں، لیبیا، الجزائر، مراکش سے لے کر ملائشیا اور انڈونیشیا تک سب ملکوں کے مسلمان دانشور، اقبال اور جناح کے فکرِ عمل کے گرویدہ ہو رہے ہیں، جنھوں نے اپنے جہادِ آزادی کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کو بھی ایک ولولۂ تازہ دیا اور اب تو مشرق ومغرب کے دیگر ممالک میں بھی ان کے افکار سے دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے، کیونکہ ان اکابر نے عالمِ اسلامی ہی نہیں، بلکہ عالمِ انسانی کو بھی خالص مادیت سے نجات پا کر رنگ ونسل وزبان سے ماورا، اسلامی خطوط پر عمرانی تشکیل نو کا حیات بخش پیغام دیا ہے۔(۲۰)

ثانی الذکر مضمون میں مصنف نے جنگ آزادی سے تحریک آزادی تک مسلمانوں کے سیاسی سفر کی رُوداد بیان کی ہے اور بیسویں صدی میں ایک اسلامی مملکت کے قیام میں دونوں قائدین کے تاریخی کردار کو پیش کیا ہے۔ یہ مضمون، جو اپنے مواد اور اس کی ترتیب کے اعتبار سے تحقیقی معیارات کا حامل ہے، اپنے اختتام تک پہنچتے پہنچتے جذباتی فضا میں داخل ہو جاتا ہے اور مصنف یہ کہنے لگتے ہیں:

> یہ بھی خوب ہے کہ یہ دونوں مامون مِنَ اللہ ہستیاں اسلامیانِ ہند کے میرِ کارواں، اپنے آپ کو ایک دوسرے کا سپاہی کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! عجز وانکسار اور باہمی محبت وشیفتگی کا عجیب انداز ہے۔ اس رُوداد کو بیان کرنے کے بعد تحریک پاکستان میں اقبال اور جناح کے تاریخی کردار کو کن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا جائے...... کہ زبان وبیان یہاں قاصر نظر آتے ہیں۔ (۲۱)

جہاں تک 'اقبال کا ذہنی وفکری ارتقا' کا تعلق ہے، یہ مضمون ڈاکٹر صاحب کی اسی نام سے شائع ہونے والی کتاب کی تلخیص کہا جا سکتا ہے، چنانچہ مذکورہ کتاب پر ہونے والی گفتگو یہاں بھی صادق آتی ہے۔ یہ مقالہ اقبال میموریل لیکچر ۲۰۰۴ء کے تحت ۱۶ رفروری ۲۰۰۵ء کو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے بائیوکیمسٹری آڈیٹوریم میں پڑھا گیا، جسے بعد ازاں شعبہ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے شائع کر دیا۔

یہاں ڈاکٹر ذوالفقار کی ان کتب کا جائزہ لیا جاتا ہے، جن کی نوعیت بنیادی طور پر تو اقبالیاتی نہیں، البتہ ان میں چند ایک مضامین اس موضوع پر شامل ہیں۔

بیادِ اقبال (۱۹۷۷ء) مجلس یادگارِ اقبال، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے زیرِ اہتمام بی این آر آڈیٹوریم میں ۲۰ سے ۲۶ راپریل ۱۹۶۸ء تک منعقدہ یومِ اقبال کے موقع پر پڑھے جانے والے مقالات سے مزین ہے۔ اس میں پیش لفظ کے علاوہ مرتب کے دو مضامین شامل ہیں: 'اقبال اور تحریکِ اتحادِ اسلامی' اور 'اقبال اور قومی زبان'۔

اوّل الذکر مضمون کی تکمیل ڈاکٹر صاحب کی کتاب اقبال کا پیام: نژادِ نو میں شامل ان کے مضمون 'اقبال، جناح اور عالم اسلام' کے ذریعے سے ہوئی۔ مصنف نے جمال الدین افغانی کے خواب اور ۷۰-۱۹۶۹ء میں ہونے والی اسلامی اتحاد کی کوششوں کے پس منظر میں اقبال کے شاعرانہ کردار کا ذکر کیا ہے۔ قیامِ یورپ میں تصورِ قومیت سے آگہی کے بعد اقبال اسلام کے دیے ہوئے تصورِ قومیت کے قائل ہو گئے تو ان کی نظروں میں عالمِ اسلام ان کا وطن قرار پایا، چنانچہ وہ مسلم دنیا میں رونما ہونے والے المناک واقعات کو اپنی نظموں کا موضوع بنانے لگے اور بعض چھوٹے چھوٹے واقعات سے مختلف نتائج اخذ کرتے ہوئے ہندی مسلمانوں کی رہنمائی کرنے لگے۔ عثمانی خلافت کے خاتمہ، ایران کی شکست وریخت، جنگ بلقان، یورپ کی جدید صلیبی پیش قدمی کے زیرِ اثر 'شکوہ'، 'جوابِ شکوہ'، 'شمع اور شاعر'، 'مسلم'، 'حضور رسالت مآب میں'، 'فاطمہ بنت عبداللہ'، 'محاصرۂ ادرنہ'، 'خضرِ راہ'، 'طلوعِ اسلام' اور اسی قبیل سی دیگر بہت سی نظموں سے اقبال کی قلبی بےقراری اور مسلمانوں کی حالتِ زار سے متعلق ان کی دردمندی ظاہر ہوتی ہیں۔ اقبال نے دنیا بھر کی مسلم تحریکوں میں قلمی شرکت کر کے مسلمانانِ برصغیر کو ان کے قریب کر دیا اور بقول مصنف: ملتِ اسلامیہ جن خطرات سے نصف صدی پہلے دوچار تھی، وہ آج بھی اسے دعوتِ مبارزت دی رہے ہیں۔ اس دعوتِ مبارزت کا جواب ایک ہی صورت میں ممکن ہے اور وہ ہے: اتحادِ عالمِ اسلامی۔ اقبال کا یہ پیغام آج بھی اسی طرح زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ (۲۲)

ڈاکٹر ذوالفقار کا یہ مضمون غالباً ۱۹۷۰ء میں لکھا گیا اور قارئین جانتے ہیں کہ اس عرصے میں وقت کئی کروٹیں بدل چکا ہے۔ پاکستان میں ہونے والی پہلی کامیاب اسلامی کانفرنس کے بعد بھی مسلم ممالک کسی وحدت کا عملی مظاہرہ نہیں کر سکے اور اب (۲۰۱۰ء) تو ان کے اتحاد کی کوئی صورت بھی دِکھائی نہیں دیتی، کیوں کہ تمام مسلم ممالک ایک شر (امریکہ) سے بچنے کے

لیے خود شریکِ شر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اقبال کے اس پیغام کی ترویج کی آج پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اب یہ اقبال شناسوں کا کام ہے کہ وہ عالمِ اسلام کی تمام زبانوں میں اس پیغام کے فروغ کے لیے علمی اقدامات اٹھائیں۔

ثانی الذکر مضمون میں اقبال نے اردو زبان سے اقبال کی محبت اور شیفتگی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اردو زبان سے متعلق اقبال کی عصبیت کو ان کی دینی عصبیت کے مترادف قرار دیتے ہوئے قیامِ پاکستان کی بنیادوں میں مذہبِ اسلام کے ساتھ زبانِ اردو کے کردار کو بھی اہم قرار دیا ہے۔ مصنف نے تحریرِ مضمون (۱۹٦٨ء) کے دَور میں نام نہاد دانشوروں کی جانب سے نظریاتی اور لسانی حملوں کے پس منظر میں دشمن کی سازشوں کی بو کو محسوس کرتے ہوئے میر جعفر و صادق کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے سوال کیا ہے کہ کیا ہمارے نام نہاد دانشوروں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اس طرزِ استدلال سے وہ نادانستہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں، جو بھارتی سینا اپنی بے پناہ مادی قوت کے باوجود (۱۹٦۵ء میں) نہ کر سکی۔ (۲۳)

مطالعہ اکبر (۱۹۸۴ء) میں اقبالیاتی حوالے سے محض دو مضامین شامل ہیں، یعنی 'اکبر: پیش روِ اقبال' اور 'اکبر اور اقبال'۔ یہ دونوں مضامین اکبر اور اقبال میں زیرِ بحث آ چکے ہیں۔ یہ کتاب دوسری مرتبہ سنگ میل، لاہور سے ۲۰۰۳ء میں طبع ہوئی۔

میاں سر فضل حسین: تاریخ کے آئینے میں (۱۹۹۷ء) میں اقبال سے متعلق ایک مضمون 'میاں سر فضل حسین اور مسٹر جناح و سر اقبال' اور بطور ضمیمہ 'علامہ اقبال اور میاں فضل حسین' شامل ہیں۔ اوّل الذکر مضمون کا مرکزی نکتہ بیان کرتے ہوئے مصنف کا کہنا ہے کہ ''پنجاب کے ذہین قومی رہنما'' میاں سر فضل حسین کی سیاسی بصیرت، دُور اندیشی، موقع پرستی اور عروج کے بعد زوال کے لحاظ سے اس آخری مرحلے پر کچھ تھوڑا سا تذکرہ (قائداعظم) محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے ساتھ ان کے درشت رویّے کے بارے میں کر دیا جائے، تاکہ تاریخ کا فیصلہ سمجھنے میں قارئین کو کوئی الجھن نہ رہے۔ (۲۴)

اس مضمون کا ایک حصہ (ص ۱۱۹ تا ۱۳۲) میاں فضل حسین اور جناح کے تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے، جب کہ بقیہ حصے (ص ۱۳۲ تا ۱۴۰) میں گورنمنٹ کالج، لاہور کی ہم مکتبی سے شدید سیاسی وفکری اختلافات تک میاں فضل حسین اور علامہ اقبال کے تعلقات کو تحقیقی و تاریخی دستاویزات کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہیں۔

ثانی الذکر ضمیمہ دراصل اوّل الذکر مضمون کا تشریحی و توضیحی روپ ہے۔ مصنف نے دونوں کے تعلقات کے نشیب و فراز کو نہایت مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے اور مختلف نکات کو دلائل اور تحریری مواد پیش کر کے ثابت کیا گیا ہے۔

پاکستان: تصور سے حقیقت تک (۱۹۹۷ء) ۳۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے: 'افکارِ اقبال: تصورِ پاکستان' (ص ۱۱ تا ۴۸) اور 'قائدِ اعظم محمد علی جناح: افکار و فرمودات' (ص ۴۹ تا ۳۸۴)۔

کتاب کے دیباچے میں مؤلف نے علامہ اقبال اور قائداعظم کے سیاسی افکار میں اختلافات اور بعد ازاں نظریاتی و عملی ہم آہنگی کو نہایت جامعیت سے بیان کیا ہے۔ ان کے الفاظ میں: بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں اقبال اور جناح، دونوں ذہنی و فکری طور پر سیاست کے میدان میں آ چکے تھے۔ دونوں کا سیاسی مطمحِ نظر شروع میں وطنی قومیت تھا۔ اقبال تو جلد ہی اس تصورِ وطنیت سے تائب ہو گئے، مگر مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سفیر بن کر کانگرس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کے لیے کوشاں تھے۔۔۔ اس سارے عرصے کے دوران (نہرو رپورٹ تک) اقبال اور جناح کی سیاسی سوچ کی راہیں جدا جدا، بلکہ بعض اوقات مخالف سمتوں پر رہیں، تا آنکہ ۱۹۲۹ء میں مسٹر جناح کے چودہ نکات کے آمد پر یہ فاصلے ختم ہو گئے اور اقبال اور جناح ذہنی و فکری طور پر قریب آ گئے۔ (۲۵)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی اس کتاب کے پہلے حصے کا تعلق اقبال سے ہے، یعنی 'افکارِ اقبال: تصورِ پاکستان'، جو تین اجزا پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو الٰہ آباد میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پڑھے

جانے والے اقبال کے معروف خطبے سے چند خاص خاص پہلو درج کیے گئے ہیں۔

دوسری فصل میں جناح کے نام علامہ اقبال کے مطبوعہ خطوط کا پیش لفظ از ایم اے جناح اور موضوعِ زیر بحث سے متعلق ۲۰/مارچ، ۲۲/اپریل، ۲۸/مئی، ۲۱/جون اور ۸/اگست ۱۹۳۷ء کو لکھے گئے علامہ کے پانچ منتخب مکاتیب کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں قائدِ اعظم کے وہ بیانات نقل کیے گئے ہیں، جس میں انھوں نے علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مؤلف نے گیارہ تحریریں یکجا کی ہیں، جن کا تعلق ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء سے ۳۰/مارچ ۱۹۴۶ء تک ہے۔ قائد کے یہ تمام بیانات مستند حوالوں کے ساتھ درج کیے گئے ہیں اور ان کے پس منظر سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔

اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر (۱۹۹۸ء) بنیادی طور پر تدریسی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، تاہم اس میں 'عصرِ نو کا پیام بر: اقبال' اور 'برعظیم کے عمرانی کوائف اور اقبال' نام سے ہمارے موضوع سے متعلقہ دو مضامین شامل ہیں۔

'عصرِ نو کا پیام بر: اقبال' نامی مضمون اپنے موضوع کے اعتبار سے اقبال: ایک مطالعہ کے مضمون 'اقبال: عصرِ نو کا پیامٔ' سے تعلق رکھتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دونوں مضامین الگ الگ لکھے گئے ہیں۔

'برعظیم کے عمرانی کوائف اور اقبال' میں ڈاکٹر صاحب نے تصورِ اتحادِ اسلامی اور مساواتِ انسانی کے ساتھ ساتھ برعظیم کے مسلمانوں کی غلامی سے نجات کے بارے میں ان کے خیالات سے بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں برعظیم کی سیاسی اور سماجی زندگی کے کوائف پر نگاہ ڈالتے ہوئے اقبال نے جہاں مسلمانوں کی پستی و جہالت، گمرہی اور بے یقینی، خود غرضی اور نفس پرستی کو موردِ تنقید بنایا ہے؛ وہاں خودگری و خودشناسی اور حریت و آزادی کا سبق دیتے ہوئے ملک کے سارے باشندوں کو بلا امتیازِ مذہب و مسلک یکساں نگاہ میں رکھا ہے۔ یہاں بھی ان کا زاویہ نظر وہی ہے، جس میں اسلامی اور انسانی تخیل کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں اور اسلام کی وسیع المشربی ساری انسانیت کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ [۲۶]

استنبول، ترکیہ: سفر و حضر میں (۲۰۰۱ء) میں اقبال سے متعلق محض ایک مضمون 'ترکی اور اقبال' شامل ہے اور وہ بھی نہایت مختصر۔ یہ کتاب بنیادی طور پر ڈاکٹر ذوالفقار کی یادداشتوں پر مشتمل ہے، جس میں ترکی میں بیتے ہوئے ان کے شب و روز کی رُوداد بیان ہوئی ہے۔ ۱۹۸۸ء کے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب استنبول میں لنونڈ کی جامع کے امام نے اپنی تقریر کے اختتام پر اقبال کے ایک شعر کا حوالہ دیا تو مصنف کو ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا ترکی ترجمہ اسرار و رموز یاد آ گیا، جنھوں نے اقبال کے بہت سے فارسی کلام کے ساتھ ساتھ ضربِ کلیم کو بھی ترکی میں منتقل کیا تھا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے خطبات اقبال، پیامِ مشرق اور جاوید نامہ کے تراجم؛ یوسف قراجانے اور ڈاکٹر شوکت بولوکی طرف سے بالِ جبریل کے جزوی و کلی تراجم اور اقبال پر عبدالقادر قراحان کی مختصر کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس مختصر تحریر کو ترکی میں اقبالیاتی ادب کا جائزہ تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ اس سے اب تک ہونے والے کام سے کچھ نہ کچھ شناسائی ہو جاتی ہے۔

کشمیر: جنت نظیر: ایک جلتا ہوا انگارہ (۲۰۰۲ء) بنیادی طور پر مقبوضہ کشمیر میں جاری سیاسی جہد و جہد کا احاطہ کرتی ہے، تاہم مؤلف نے اقبال کے ان افکار کو بھی پیش کیا، جن کی روشنی میں کشمیر کی تاریخی حیثیت کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ حصہ اوّل کتاب کے مرکزی خیال سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ دوسرے حصے میں 'اقبال اور کشمیر' کے نام سے دو تحریریں شامل ہیں۔ 'اقبال اور کشمیر (۱)' میں پیامِ مشرق کی نظم 'ساقی نامہ' سے آخری پانچ اشعار درج کیے گئے ہیں۔ یہ نظم ۱۹۲۱ء میں اقبال نے اپنے دورۂ کشمیر کے دوران 'نشاط باغ' میں کہی تھی۔ مؤلف کے مطابق: جاوید نامہ میں دو مقامات ایسے ہیں، جنھیں وادیِ کشمیر کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک تو 'فلک زحل' پر اُن ارواحِ رذیلہ کے سلسلے میں، جنھوں نے ملک سے

غداری کی اور جنھیں دوزخ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں، (۲۷) یعنی 'روحِ ہندوستان نالہ وفریادمی کند' کے آخری پانچ اشعار اور دوسرا موقع، جب زندہ رود کی سید علی ہمدانی سے ملاقات ہوتی ہے، یعنی 'زیارتِ امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی و مُلا طاہر غنی کشمیری'۔ یہ حصہ چوہتر اشعار پر مبنی ہے۔ مؤلف نے یہاں محض نقلِ شعر پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان اشعار کے نہایت دل آویز ترجمے سے اردو قارئین کے لیے تفہیم سہل کر دی ہے۔ جب کہ 'اقبال اور کشمیر (۲)' میں مؤلف نے ارمغانِ حجاز کے اردو حصے میں شامل 'مُلا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض' سے کشمیر کی موجودہ صورتِ حالات سے مناسبت رکھنے والے باون اشعار پیش کیے ہیں۔

افغانستان اور اقبال (۲۰۰۳ء) بنیادی طور پر خلیل اللہ خلیلی کی فارسی (دری) تصنیف ہے، جسے ببرک لودھی نے اردو کا روپ دیا اور جسے انجمن علمی و مشاورتی جمعیت اسلامی افغانستان نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا۔ اب اس کتاب کو ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے پیش لفظ اور بعض اضافوں کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ پیش لفظ میں مرتب نے مصنف کے حالاتِ زندگی سے پردہ اٹھایا ہے اور اس تصنیف کا پس منظر بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی ہے کہ راقم نے اس تالیف کو مرتب کرتے ہوئے کہیں کہیں حسب ضرورت فقروں کو درست کیا ہے اور جہاں متن میں اضافہ کیا ہے، اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ کتاب کے آخر میں خلیلی صاحب نے ضربِ کلیم کے ایک جز 'محراب گل افغان کے افکار' کے بیس قطعات میں سے پانچ کا انتخاب کیا تھا، جب کہ مرتب نے بقیہ قطعات بھی کو بھی شامل کتاب کر دینا مناسب سمجھا، تا کہ افغانستان کے بارے میں اقبال کا نقطۂ نظر پوری طرح سامنے آجائے۔ (۲۸)

اکبر اور اقبال: نئے تناظر میں (۲۰۰۶ء) میں 'اکبر: پیش روِ اقبال' اور 'اکبر اور اقبال' کے نام سے دو مضامین شامل ہیں اور یہ دونوں مضامین اکبر اور اقبال میں زیرِ بحث آچکے ہیں۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی چند انگریزی کتب کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

Inmemorian میں لاہور، لندن، کولمبو، روم، دہلی، انڈونیشیا، واشنگٹن، ہالینڈ، تسمانیہ، قاہرہ، کراچی، ایران، افغانستان اور مراکش میں منائے جانے والی یومِ اقبال کی تقریبات کے حوالے سے تحریریں شامل ہیں۔

The Muslim Community: A sociological study (Iqbal) علامہ کے خطبہ: ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر کے اصل متن اور مولانا ظفر علی خاں کے اردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ دسمبر ۱۹۱۰ء کو ایم اے او کالج، علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں انگریزی زبان میں دیے جانے والے اس خطبے کا اردو ترجمہ از ظفر علی خاں (ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر) انھی کی زیرِ ادارت زمیندار، لاہور کی شمارے مارچ اپریل ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا۔ ظفر علی خاں یہ ترجمہ اس سے قبل علامہ کی موجودگی میں برکت علی اسلامیہ ہال (بیرون موچی دروازہ)، لاہور میں ایک جلسے میں سنا چکے تھے۔ علامہ کے خطبے کے انگریزی متن کو پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے دریافت کر کے شائع کیا۔ اس کے بعد بقول ڈاکٹر صاحب: 'ایک اَور عزیز' (ڈاکٹر مظفر عباس؟) نے اسی متن مع ترجمۂ ظفر علی خاں کو کتابی صورت میں شائع کر دیا، لیکن 'شاید مصلحت یا عجلت' کے باعث سنہ اشاعت دینا بھول گئے۔ غالباً وہ متن کی دریافت کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے ہوں گے۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے دونوں مرتبہ متون میں موجود تسامحات کی وجہ سے ان پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور تدوین کے جدید اصولوں کے پیش نظر از سرِ نو اسے مرتب کر کے مع ترجمۂ ظفر علی خاں شائع کر دیا، لیکن حیرت یا شاید افسوس کی بات یہ ہے کہ املا کی بعض اغلاط پھر بھی رہ گئیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنی کتاب تصانیفِ اقبال: تحقیقی و توضیحی مطالعہ کی تازہ اشاعت (۲۰۱۰ء) میں جناب محمد سہیل عمر کے تعاون سے ان اغلاط کو دُور کر دیا ہے۔

خطبے میں اقبال کے اس بیان: In the Punjab, the essentially Muslim type of

character has found a powerful expression in so-called Qadiani sect. سے متعلق ڈاکٹر ذوالفقار نے لکھا ہے کہ اقبال کو اپنی وفات سے چند سال پہلے ۱۹۳۵ء میں اپنے گم شدہ انگریزی خطبے کا مسودل چکا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا، جب یہ مسئلہ بہت سنگین صورت اختیار کر چکا تھا اور اقبال بھی اس مسئلے پر اخبارات میں کچھ مضامین لکھ چکے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے ابتدائی زمانے کے اس خیال سے رجوع کرتے ہوئے اس خطبے کے مسودے میں بھی اپنے قلم سے وضاحت کردی، جس کا عکس ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔(۲۹)

ڈاکٹر ذوالفقار نے علامہ کی اس تحریر کو شاملِ کتاب کیا ہے۔ علامہ کے اس بیان کے ردِعمل میں قادیانی مجلّہ Light میں اقبال پرُخیالات کے تضادٗ کا الزام لگایا گیا تو اقبال نے اپنے ایک اخباری بیان میں فرمایا: مجھے یہ تسلیم کرتے کوئی تردّد نہیں کہ رُبع صدی قبل مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی توقع تھی......ذاتی طور پر مجھے اس تحریک کے بارے میں اُس وقت شبہ پیدا ہوا، جب ایک نئی نبوت، پیغمبر اسلام سے بھی برتر (نعوذ باللہ)، کا دعویٰ پیش کیا گیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔۔ اگر میرا موجودہ طرزِ عمل میری اپنی تردید کرتا ہے تو صرف زندہ اور سوچنے والے انسان ہی کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ اپنی تردید آپ کر سکے۔(۳۰)

بہرحال یہ کتابچہ ڈاکٹر ذوالفقار کی آٹھ صفحاتی تمہید، مولانا ظفر علی خاں کے ترجمے، اردو ترجمے سے متعلق فرہنگ اور بائیں طرف اقبال کے انگریزی خطبے کے متن پر مشتمل ہے۔

Pakistan: As Visualized by Iqbal & Jinnah ڈاکٹر صاحب کی اردو کتاب پاکستان: تصور سے حقیقت تک کی انگریزی صورت ہے۔

Development of Iqbal's Mind & Thought ڈاکٹر صاحب کی اردو کتاب اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا کا انگریزی روپ ہے، لیکن اس کی زبان اصل اردو کتاب کے لب و لہجے اور زبان و بیان سے لگا نہیں کھاتی۔

حواشی/ حوالہ جات

۱۔ ص۱۰ ۲۔ مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء

۳۔ متعلقاتِ خطباتِ اقبال، ص۴۹ ۴۔ ایضاً، ص۴۸-۴۹

۵۔ اپریل ۱۹۶۳ء، ص۲۲-۶۷ ۶۔ پیش لفظ ۷۔ ص۷-۸

۸۔ ص۱۰ ۹۔ ص۵۷ ۱۰۔ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۴۴۸-۴۶۸

۱۱۔ ص۱۳۴ ۱۲۔ ص۱۰ ۱۳۔ ص۱۳۷ ۱۴۔ ص۲۰۸

۱۵۔ مراسلہ بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مرقومہ: ۲/ستمبر ۱۹۲۵ء مشمولہ اقبال نامہ (طبعِ دوم)، ص۹۶

۱۶۔ ص۲۳۶ ۱۷۔ ص۲۵۵ ۱۸۔ ص۲۶۴

۱۹۔ ص۴۷-۴۸ ۲۰۔ ص۵۹ ۲۱۔ ص۸۸

۲۲۔ ص۱۰۵ ۲۳۔ ص۱۱۱ ۲۴۔ ص۱۱۹

۲۵۔ ص۴ ۲۶۔ ص۴۶۶ ۲۷۔ ص۷۰

۲۸۔ ص۱۳ ۲۹۔ ص۹

۳۰۔ ترجمہ: پروفیسر عبدالجبار شاکر، دعوہ (اقبال نمبر)، اسلام آباد، نومبر دسمبر ۲۰۰۷ء، ص ۴۸

کتابیات

۱۔ اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ سنگ میل، لاہور ۱۹۹۸ء

۲۔ استنبول، ترکیہ: سفر و حضر میں، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ الفیصل، لاہور ۲۰۰۱ء

۳۔ اعلامِ خطباتِ اقبال، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۷۷ء

۴۔ افغانستان اور اقبال، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزمِ اقبال، لاہور ۲۰۰۳ء

۵۔ اقبال: ایک مطالعہ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۷ء

۶۔ اقبال: ایک مطالعہ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۹۷ء

۷۔ اقبال کا پیام: نژادِ نو کے نام، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزمِ اقبال، لاہور ۲۰۰۵ء

۸۔ اقبال کا ذہنی ارتقا، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور ۱۹۷۸ء

۹۔ اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا [سرگذشتِ اقبال]، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال، لاہور ۱۹۹۸ء

۱۰۔ اکبر اور اقبال: نئے تناظر میں، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزمِ اقبال، لاہور ۲۰۰۶ء

۱۱۔ اکبر اور اقبال، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مکتبہ عالیہ، لاہور ۱۹۷۷ء

۱۲۔ بیادِ اقبال، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ سنگ میل، لاہور ۱۹۷۷ء؟

۱۳۔ پاکستان: تصور سے حقیقت تک، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۴۔ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۲ء

۱۵۔ سرگذشتِ اقبال: ایک محاکمہ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور ۱۹۷۹ء

۱۶۔ کشمیر: جنت نظیر (ایک جلتا ہوا انگارہ)، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزمِ اقبال، لاہور ۲۰۰۲ء

۱۷۔ متعلقاتِ خطباتِ اقبال، مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء

۱۸۔ مطالعہ اکبر، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ الفیصل، لاہور ۱۹۸۴ء

۱۹۔ مطالعہ اکبر، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ سنگ میل، لاہور ۲۰۰۳ء

۲۰۔ میاں سر فضل حسین: تاریخ کے آئینے میں، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ ادارۂ تحقیقاتِ پنجاب، لاہور ۱۹۹۷ء

۲۱۔ *Development of Iqbal's Mind & Thought* بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۹۸ء

۲۲۔ *Inmemorian* اقبال اکادمی، کراچی ۱۹۶۷ء

۲۳۔ *Pakistan: As Visualized by Iqbal & Jinnah* بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۹۷ء

۲۴۔ *The Muslim Community: A sociological study* (Iqbal) بزمِ اقبال، لاہور ۱۹۹۴ء

رسائل و جرائد

۱۔ اقبال نامہ (طبعِ دوم)، اقبال (مرتب: شیخ عطاء اللہ) بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مرقومہ: ۲ رستمبر ۱۹۲۵ء، ص ۹۶

۲۔ دعوۃ (اقبال نمبر)، اسلام آباد (مدیر: پروفیسر عبدالجبار شاکر)، نومبر دسمبر ۲۰۰۷ء